خلافت کے لیے قرشیت کی شرط اور علمائے ہند

The Condition of being Quraishi for Caliphate and the Indian scholars

Khurshid Ahmed Nadeem
Chairman,
National Rahmatul-lil-Alameen Wa Khatam an-Nabiyyin Authority, Islamabad.
Email: khurshidnadeem@hotmail.com

Abstract

It is known from some Hadiths of the Holy Prophet (PBUH) that the position of the caliphate and Imamate in the system of Islamic state is special for Quraysh. There have been four points of view about this among the scholars of the subcontinent. Firstly, it is necessary to be Qureshi for Khalifah. Secondly, the Caliphate is not proven for non-Qureshi. It is just news in Hadith. Thirdly, Qureshi must be a caliph. However, this is not a condition for "Sultan". Therefore, a non-Qureshi can occupy the post of Sultan. Fourthly, the condition described is related to the practical demands and requirements of the politics of that specific period. Therefore, the Muslim scholars of the subcontinent did not deny the validity of the Hadiths regarding the Imamate of Quraish. It is a matter of understanding. Some scholars have considered these traditions in the light of their overall knowledge of Islam and derived meaning from them. It happens that the scholarly tradition of the subcontinent has progressed fully accepting the diversity of the Muslim Ummah.

Keywords:
Caliphate, Holy Prophet, Islamic State, Quraysh, Subcontinent,

کتبِ حدیث میں موجود بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے نظمِ ریاست میں خلافت وامامت کا منصب قریش کے لیے خاص ہے۔ مثال کے طور پر مسند احمد کی روایت ہے: «الْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ»[1]۔ (امام قریش میں سے

1 امام أحمد بن حنبل (م:241ھ)، مسند الإمام أحمد بن حنبل (بیروت: مؤسسة الرسالة، 2001ء)، رقم الحدیث:12307، ج19ص318۔

ہوں گے)۔ مسلم میں ہے: «لَا يَزَالُ هَذَا الْأَمْرُ فِي قُرَيْشٍ مَا بَقِيَ مِنَ النَّاسِ اثْنَانِ»[2] (یہ خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی بے شک انسانوں میں سے دو ہی آدمی باقی رہ جائیں)۔

خلیفۃ المسلمین کے لیے "قریشی" ہونے کی شرط کے باب میں برصغیر کے علماء میں چار نقطہ ہائے نظر پائے جاتے رہے ہیں:

1. خلافت کے لیے قریشی ہونا لازم ہے۔ غیر قریشی کے لیے خلافت ثابت نہیں۔ یہ بعض علمائے اہلِ حدیث کا موقف ہے۔
2. "الائمۃ من قریش" میں محض ایک خبر دی گئی ہے۔ یہ کسی دینی حکم کا بیان نہیں ہے۔ یہ مولانا ابو الکلام آزاد کی رائے ہے۔
3. خلیفہ کے لیے قریشی ہونا لازم ہے۔ تاہم "سلطان" کے لیے یہ شرط نہیں۔ لہٰذا سلطان کے منصب پر غیر قریشی فائز ہو سکتا ہے۔ یہ مولانا احمد رضا خان اور مولانا اشرف علی تھانوی سمیت دیگر علمائے دیوبند کی رائے ہے۔
4. امامت کے لیے رسالت مآب ﷺ نے قریشی کی جو شرط بیان کی ہے، اس کا تعلق اس عہد کی سیاست کے عملی مطالبات اور تقاضوں سے ہے جو مصلحت کے عین مطابق ہے۔ یہ کوئی مستقل دینی حکم نہیں ہے۔ یہ رائے مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی اور بعض علمائے دیوبند کی ہے۔

پس منظر

جنگِ عظیم اول، میں جب ترکی کی شکست نوشتہ دیوار تھی اور اس بات کا امکان پیدا ہو چلا تھا کہ مسلمانوں کی سیاسی مرکزیت کی علامت خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہو جائے گا تو برصغیر کے مسلمانوں نے اس کو باقی رکھنے کے لیے ایک کوشش کی۔ اس مقصد کے لیے ایک "خلافت کمیٹی" بنائی گئی۔ اس سے ایک طرف انگریزوں پر اس دباؤ کو بڑھانا مقصود تھا کہ وہ فاتح کے طور پر اس خلافت کو باقی رکھیں اور دوسری طرف نئی ترکی قیادت کو اس پر قائل کرنا کہ وہ اس ادارے کو ختم نہ کرے۔

---

2 ابو الحسین مسلم بن حجاج، قشیری، نیشاپوری، الجامع الصحیح (ترکیہ: دار الطباعۃ العامرۃ، 1434ھ)، كِتَابُ الْإِمَارَةِ، بَابٌ: النَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَيْشٍ وَالْخِلَافَةُ فِي قُرَيْشٍ، رقم الحدیث: 1820، ج6 ص2۔

برصغیر میں جب اس بحث کا آغاز ہوا تو علماء اس سوال کے جواب میں یکسو نہ تھے کہ اس خلافت کو برقرار رکھنا، کیا شرعی و دینی ضرورت ہے ؟اس ضمن میں یہ سوال بھی اُٹھا کہ خلافت تو قریش کا استحقاق ہے، لہٰذا عثمانیوں کی "خلافت" کو بچانا کیسے دینی تقاضا ہو سکتا ہے؟ اس دوران میں یورپ کے مستشرقین کی طرف سے بھی یہ سوال اُٹھایا گیا کہ سلاطینِ عثمانیہ کی حکومت جب شرعی نہیں ہے تو اس کے خاتمے پر مسلمانوں کے احتجاج کا دینی جواز کیا ہے[3]؟ یہ بحث جب شروع ہوئی تو اس میں وہ روایات زیرِ بحث آئیں جن میں خلافت و امامت کو قریش کا استحقاق قرار دیا گیا۔ معروف روایت "الائمۃ من قریش" کو مرکزیت حاصل رہی کیونکہ اس میں کسی ابہام کے بغیر خلافت کو قریش کا حق بتایا گیا ہے۔ علماء نے اس روایت سے مختلف معانی مراد لیے۔ ہم یہاں علماء کی ان آراء اور ان کے دلائل کا ایک خلاصہ پیش کریں گے۔

پہلی رائے: خلیفہ کے لیے قریشی ہونا لازم ہے

"مجلس التحقیق الاسلامی" کے 'محدث' فورم پر محمد عاصم قریشی صاحب نے خلیفہ کے لیے قریشی ہونا کی شرط کو بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"نبی ﷺ کے ارشادات ہیں:

- امامت قریش میں رہے گی۔
- یہ خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی۔ بے شک ان (قریش) میں سے دو ہی آدمی باقی رہ جائیں۔
- یہ خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی۔ بے شک انسانوں میں سے دو ہی آدمی باقی رہ جائیں۔
- یہ خلافت قریش میں رہے گی، جب تک کہ وہ دین کو قائم رکھیں گے اور جو کوئی ان سے دشمنی کرے گا اللہ اس کو اوندھے منہ جہنم میں گرائے گا۔

حدیثِ بالا سے عام طور پر لوگ یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جب قریش دین کو قائم نہیں رکھیں گے تو خلافت ان سے چھن کر غیر قریشیوں کے سپرد ہو جائے گا۔ جب نبی ﷺ کے یہ ارشادات واضح ہیں کہ "یہ خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی" اس بنا پر آپ ﷺ کے اس ارشاد کہ "یہ خلافت قریش میں رہے گی جب تک کہ وہ دین پر قائم رہیں گے" کا

3 ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیمات (حصہ سوم) (لاہور: پین اسلامک پبلیشرز)، ص 132۔

صاف مطلب یہ سامنے آتا ہے کہ جب قریش دین قائم نہ رکھیں گے تو خلافت سرے سے ہی ختم ہو جائے گی نہ کہ غیر قریشی کو منتقل ہو جائے گی۔ درج بالا احادیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ غیر قریشی کی خلافت غیر شرعی ہو گی[4]۔"

بخاری کی ایک روایت ہے: "حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو بے شک تم پر ایک حبشی غلام مقرر کیا جائے جس کا سر منقے کی طرح ہو۔" اس روایت سے یہ استدلال لیا جاتا ہے کہ غیر قریشی کی امامت بھی جائز ہے۔ اس کا جواب دیتے ہوئے عاصم قریشی صاحب لکھتے ہیں:

> "بعض لوگ نبی ﷺ کے ارشادات بالا کی بنیاد پر غیر قریشی کے علاوہ کسی غلام کو بھی خلیفہ بنانا جائز سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ کے ارشادات کو غور سے پڑھنے سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ اس 'استعمال' کیے جانے والے یا مقرر کیے جانے والے امیر کے پس منظر میں، اس سے بھی بڑی کوئی ایسی اتھارٹی موجود ہے جو اس کو استعمال کر رہی ہے نیا امیر مقرر کر رہی ہے اور یہ بات طے ہے کہ کتاب و سنت میں امت کے اندر اللہ کے بعد سب سے بڑی اتھارٹی پیغمبر کی ہوتی ہے اور اس کے بعد خلیفہ کی جو امیر مقرر کرتی ہے، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے: "رسول اللہ ﷺ نے ایک وفد بھیجا اور اس پر ایک انصاری کو امیر مقرر کیا اور لوگوں کو اس کا حکم سننے اور اس کی اطاعت کرنے کا حکم دیا[5]، [6]۔

درج بالا احادیث سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مقرر کیے جانے والا امیر خلیفہ نہیں بلکہ خلیفہ کی طرف سے مقرر کیا جانے والا کوئی ذیلی حاکم (سپہ سالار یا کسی صوبے یا محکمے کا امیر) ہے جو غیر قریشی بھی ہو سکتا ہے اور غلام بھی لیکن وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا''۔ معروف اہلِ حدیث عالمِ دین سید محمد نذیر حسین سے یہی رائے منقول ہے[7]، [8]۔

دوسری رائے: "الائمۃ من قریش" ایک خبر ہے

یہ رائے مولانا ابوالکلام آزاد کی ہے۔ اس باب میں سب سے وقیع کام ان ہی کی طرف سے سامنے آیا۔ خلافت کمیٹی بنگال کے زیرِ اہتمام 28-29 فروری 1920 کو کلکتہ میں جو جلسہ ہوا، اس کی صدارت مولانا آزاد نے کی اور

---

4 https://shorturl.at/ksGJU

5 مسلم، صحیح مسلم، كِتَابُ الْإِمَارَةِ، بَابُ وُجُوبِ طَاعَةِ الْأُمَرَاءِ فِي غَيْرِ مَعْصِيَةٍ وَتَحْرِيمِهَا فِي الْمَعْصِيَةِ، رقم الحدیث:1840، ج6ص16۔

6 https://shorturl.at/ksGJU

7 https://www.urdufatwa.com/view/1/7271

8 مولانا سید محمد نذیر حسین محدث دہلوی، فتاوی نذیریہ (لاہور: اہل حدیث اکیڈمی، کشمیری بازار، 1971ء)، ج2ص143۔

خلافت کے موضوع پر ایک مبسوط خطبہ دیا۔ یہ خطبہ پہلے "مسئلہ خلافت و جزیرۂ عرب" کے عنوان سے شائع ہوا۔ بعد میں مولانا نے اس میں اضافے کیے اور اس کے بعض حصے قلم زد کر دیے۔ جن مباحث کو مولانا نے بطور خاص موضوع بنایا، ان میں سے ایک یہی قریشیت کی شرط کا مسئلہ بھی تھا۔ مولانا کی کتاب "مسئلہ خلافت" کا جب دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو مولانا نے اس کے مقدمے میں لکھا:

"اشتراطِ قرشیہ کا مبحث بالکل مکمل و مختتم کر دیا گیا ہے۔ حتی الوسع مسئلہ کا کوئی ضروری پہلو بحث و نظر سے باقی نہیں رہا۔ پہلے ایڈیشن میں حدیثِ امامۂ قریش کے بعض طرق و سلاسل غیر ضروری سمجھ کر چھوڑ دیے تھے، لیکن اب ان پر بھی نظر ڈال لی ہے تاکہ بحث مکمل ہو جائے۔ دعویٰ اجماع پر ہی بعض نئے مباحث ملیں گے جو پہلے ایڈیشن میں نہ تھے[9]۔"

مولانا آزاد نے اس مسئلے میں جو مؤقف اختیار کیا، اس کے دو اجزا ہیں:

1. قرشیت کی شرط کے لیے کوئی نص موجود نہیں۔
2. اگر ہو بھی تو عثمانیوں کی خلافت پر اس کا کوئی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہاں مسئلہ انتخابِ امام کا نہیں بلکہ ایک قائم خلافت و امامت کی اطاعت کا ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ اس باب میں مروی تمام روایات کا عمومی مطلب یہی سمجھا گیا کہ خلافت کے لیے قریش ہونا لازم ہے۔ اس لیے اس پر اجماع کا دعویٰ بھی کیا گیا۔ اگرچہ ابنِ خلدون نے اس باب میں ایک دوسرا مؤقف اختیار کیا۔ ابنِ خلدون کے اس منفرد مؤقف کی موجودگی میں اجماع کا دعویٰ ثابت نہیں۔ تاہم مولانا آزاد نے اس کا جواب دیا ہے کہ قدیم علماء، فقہا نے یہ مؤقف کیوں اختیار کیا اور اس پر اجماع کا دعویٰ کیوں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "۔۔۔۔۔ قریش میں خلافت ہونے کی نسبت جو کچھ فرمایا گیا ہے وہ محض آئندہ کی بیشتر سے اطلاع تھی۔ یعنی پیشن گوئی تھی اور پیشن گوئیوں کا حال یہ ہے کہ جب تک ان کا ظہور کامل طور پر نہ ہو جائے، ان کے مطالب و معانی کی نسبت کسی قطعی بات کا اختیار کرنا مشکل ہوتا ہے۔ اجتہاد و قیاس کے لیے کسی چیز میں اتنی وسعت نہیں جس قدر پیشن گوئیوں میں ہوتی ہے۔ بالخصوص جبکہ پیشن گوئیوں کا ایک خاص مبہم انداز بیان ہوتا ہے اور نہایت اجمال و اختصار کے ساتھ محض اشارات کیے جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔ پس چونکہ یہ پیشن گوئی تھی، اس لیے مشکل تھا کہ جب تک تمام واقعات پوری طرح ظاہر نہ ہو جائیں، ان کا ٹھیک ٹھیک مطلب

---

9 ابو الکلام آزاد، مسئلہ خلافت (لاہور: مکتبہ جمال، 2006ء)، ص 11۔

متعین لیا جاسکے۔ خلافت کا یہ حال رہا کہ گو ابتدا سے بہت سے مدعی اُٹھے مگر فی الجملہ نویں صدی ہجری تک قریش ہی میں رہی اور اس بات کی خبر احادیث میں بھی دی گئی تھی۔ جن علماء کی رائے پیش کی جاتی ہے، وہ سب وہی ہیں، جن کا ظہور ساتویں صدی اور اس سے پیشتر یعنی عہدِ خلافتِ قریش میں ہوا۔ پس ضروری تھا کہ معاملۂ خلافت کو ابتدا سے قریش ہی میں محدود دیکھ کر یہ خیال پیدا ہو جاتا کہ خلافت اس خاندان سے شرعاً بھی مخصوص ہے اور یہی مطلب تمام احادیث کا ہے۔ اگر وہ بعد کا حال دیکھ لیتے تو معلوم کر لیتے کہ مقصود تشریع و حکم نہ تھا، محض خبر دی گئی تھی۔ وہ ان احادیث کا مطلب صرف اپنے وقت تک کے حالات تک کی روشنی میں دیکھ رہے تھے اور اس کے لیے مجبور و معذور تھے [10]۔

روایات کے بارے میں مولانا آزاد کا مؤقف

مولانا کا دعویٰ ہے کہ خلیفہ کے لیے قریشی ہونے کی شرط کے باب میں کوئی نصِ قطعی موجود نہیں۔ بایں ہمہ وہ یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جن روایات میں خلیفہ کے لیے قریشی ہونے کی شرط بیان ہوئی ہے، وہ صحیح ہیں۔ صحیح روایات کی موجودگی میں یہ دعویٰ کیسے ثابت ہے کہ اس مؤقف کی تائید میں کوئی نصِ قطعی نہیں پائی جاتی۔

مولانا آزاد ان روایات کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں مگر ان کا خیال ہے کہ ان میں جو بات کی گئی ہے، اس کی عمومی تفہیم درست نہیں۔ اس ضمن میں وہ ایک طرف ان روایات کو دین کے عمومی رجحان اور تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے سمجھتے ہیں جن میں رنگ و نسل کی بنیاد پر کسی برتری کی نفی کی گئی ہے۔ دوسری طرف وہ ایک ایک روایت کو لے کر یہ ثابت کرتے ہیں کہ اس سے وہ مراد نہیں لی جاسکتی، جو عام طور پر سمجھی گئی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "احادیث اس بارے میں جس قدر موجود ہیں، سب صحیح ہیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجمع عام میں اسے پیش کیا اور کسی نے انکار نہ کیا۔ یہ بھی درست ہے کہ صحابہ میں ہمیشہ اس بات کی شہرت رہی اور یہ بھی غلط نہیں کہ جب تک خاندانِ عباسیہ باقی رہا، لوگ اس کو بطور ایک شرط کے سمجھتے رہے۔ بایں ہمہ ان ساری باتوں کی حقیقت وہ نہیں ہے جو سمجھی جاتی ہے۔ ان ساری باتوں کے سچ ہونے کے ساتھ ایک یہ بھی سچ ہے کہ اسلام نے خلافت کو نہ کسی قوم میں مخصوص کیا ہے نہ کسی خاندان میں۔ اسلام جو اس طرح کی تمام قومی اور نسلی امتیازات کو مٹانے اور ہمیشہ کے لیے صرف انسانیت کی بے قید و عام عظمت کو قائم کر دینے اور "عمل" کے قانون الٰہی کے آخری اعلان کے لیے آیا تھا، اس کے نام سے ساری باتیں مانی جا سکتی ہیں لیکن اس کا وہم و گمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے خاندان و نسل کو کوئی امتیاز تسلیم کیا ہو۔ یہ کیوں

---

10 ابو الکلام آزاد، مسئلہ خلافت، ص116-11۔

کر ممکن ہے کہ امتیازِ نسب کے بت کو جس نے توڑا ہو، انہی ٹکڑوں کو پھر جوڑ کر از سرِ نو ایک نیابت خانہ قائم کیا جائے؟[11]"

کیا مولانا آزاد اسلام کی عمومی تعلیم اور عقلی استدلال کی بنیاد پر ان روایات کا انکار کر رہے ہیں، جنہیں وہ صحیح کہتے ہیں؟ مولانا اس کا جواب دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کے باوجود اگر قرآن و سنت سے کوئی ایسی بات معلوم ہوتی ہے جو ہمارے عقلی پیمانے پر پورا نہیں اترتی تو پھر بھی اس کو مانیں گے اور اسے عقل کی کمزوری پر محمول کریں گے کہ وہ بات کی تفہیم سے قاصر ہے۔ یہاں لیکن معاملہ یہ نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"خیر یہ بات کتنی ہی عجیب ہوتی لیکن ہم بلا تامل باور کر لیتے اگر فی الحقیقت قرآن و سنت سے ٹھیک ٹھیک ثابت ہوتی۔ ہمارے نزدیک کسی اسلامی اعتقاد کی صحت و عدم صحت کا معیار صرف یہ ہے کہ کتاب و سنت سے بطریق صحیح ثابت ہو۔ کچھ ضروری نہیں کہ ہماری نارسا سمجھ اس کا احاطہ و ادراک بھی کر سکے"[12]۔

مولانا ابوالکلام روایات کے باب میں یہ اصولی مؤقف اختیار کرتے ہیں اس میں دو طرح کی باتیں کہی گئی ہیں۔ ایک وہ جن کا تعلق احکام و اوامر اور تشریع سے ہے اور دوسری وہ جن کا تعلق اطلاعات و اخبار سے ہے۔ خلافت کے لیے قریشیت کی شرط کے مضمون کی جتنی روایات ہیں، ان کی نوعیت یہی ہے" قریش کی خلافت کی نسبت جس قدر روایات موجود ہیں، سب دوسری قسم میں داخل ہیں نہ پہلی قسم میں۔"

تفہیمِ حدیث کے باب میں مولانا کے اسلوب کو سمجھنے کے لیے ہم یہاں ایک روایت کا ذکر کرتے ہیں، جس میں کہا گیا کہ " یہ چیز (خلافت) قریش ہی میں رہے گی جب تک ان میں دو آدمی بھی باقی ہیں۔" (بخاری)۔ عام طور پر اس سے یہ استدلال کیا گیا کہ خلافت ہمیشہ قریش میں رہے گی۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے 'تاریخ الخلفاء' میں ایسی روایات بیان کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قربتِ قیامت تک، جب حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی ہوگی، قریشی ہی خلیفہ ہوں گے۔ مولانا اس روایت سے دوسرا مفہوم لیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اس مفہوم کو اگر مان لیا جائے تو تاریخی اعتبار سے یہ خلافِ واقع ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہزاروں قریشیوں کی موجودگی میں، خلافت خاندان قریش سے نکل گئی۔ اس لیے لازم ہے کہ اس کا دوسرا مفہوم لیا جائے، مولانا لکھتے ہیں:

---

11 ابوالکلام آزاد، مسئلہ خلافت، ص 102۔

12 ایضاً، ص 104۔

"اگر قریش میں دو آدمی بھی ایسے رہیں گے جو خلافت کے اہل ہوں تو کبھی خلافت کے شرف سے یہ خاندان محروم نہ ہو گا۔ مگر جب انقلابِ حال سے ایسا وقت آجائے کہ وہ آدمی بھی اہل نہ رہیں تو مشیت الٰہی اپنے قانونِ انتخابِ اصلح کے، دوسروں کو اس کام پر مامور فرما دے گی اور قریش خلافت سے محروم ہو جائیں گے [13]۔"

مولانا نے بعض قدماء کا بھی حوالہ دیا ہے کہ انہوں نے بھی ان روایات کو خبر کے درجے میں لیا ہے۔ اس طرح وہ بعض روایات پر فنی اعتراض بھی اُٹھاتے ہیں۔ مثال کے طور پر سقیفہ بنی ساعدہ والی روایت، جس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "الائمۃ من قریش" مولانا آزاد کا کہنا ہے کہ یہ روایت بطریق اتصال ثابت نہیں۔ اجماع کی نفی کے حوالے سے، مولانا بہت سی ایسی روایات سے استدلال کرتے ہیں، جن میں خود صحابہ نے بعض ایسے صحابہ کو خلیفہ بنانے کی بات کی ہے جو قریش میں سے نہیں تھے۔ اگر صحابہ کے نزدیک اس پر اجماع ہوتا تو وہ غیر قریشی کی خلافت کے امکان کو کیسے قبول کرتے۔ اس طرح حافظ سیوطی نے "تاریخ الخلفا" میں عباسیوں کی خلافت کی بشارت سے متعلق جو روایات جمع کی ہیں، مولانا کے نزدیک "یہ تمام روایات قطعاً جھوٹی ہیں۔"

تیسری رائے: خلافت کے لیے قریشی ہونا لازم ہے

مولانا احمد رضا خان خلیفہ کے لیے قریشی ہونے کی شرط کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ وہ اسے منصوص اور اجماعی مسئلہ سمجھتے ہیں۔ تاہم اگر مسلمانوں کا کوئی سیاسی نظم قائم ہے جس کی سربراہی غیر قریشی کے پاس ہے اور وہ خلیفہ کے بجائے سلطان، یا کسی دوسرے نام سے شہرت رکھتا ہے تو اس سیاسی نظم کو مولانا جائز سمجھتے ہیں اور اس کی مدد اور نصرت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ عثمانیوں کے بارے میں ان کی رائے یہ تھی کہ وہ خلیفہ نہیں، 'سلطان' ہیں۔ اس لیے ان کے معاملے میں اقتدار کے جائز یا ناجائز ہونے کی بحث پیدا نہیں ہوئی۔ چونکہ یہ مسلمانوں کا قائم نظمِ اجتماعی ہے، اس لیے اس کی مدد لازم ہے۔

مولانا احمد رضا خان کا خیال تھا کہ خلافت کی بحث چھیڑ کر، ایک ایسے معاملے کو متنازع بنا دیا گیا جو در حقیقت غیر متنازع تھا۔ عثمانیوں کی حمایت میں کوئی دوسری رائے نہیں۔ البتہ یہ امر اپنی جگہ ہے کہ شرعی اعتبار سے کوئی غیر قریشی خلیفہ کے منصب پر فائز نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے ایک استفتا کے جواب میں ایک رسالہ "دوام العیش من الائمہ من

13 ابو الکلام آزاد، مسئلہ خلافت، ص108۔

القریش" کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا۔ انہوں نے اسے تین فصول میں تقسیم کیا۔ مقدمے میں خلیفہ اور سلطان کا فرق واضح کیا اور بتایا کہ کسی حادثے کے باعث شرعی حکم تبدیل نہیں ہوتا۔ پہلی فصل میں، اس باب میں موجود روایات کو نقل کرنے کے بعد، اس پر اجماعِ امت کا دعویٰ کیا ہے۔ دوسری فصل میں تحریکِ خلافت کے بانی مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے افکار پر گرفت کی ہے۔ تیسری فصل میں مولانا ابو الکلام کے اس مؤقف پر تنقید کی ہے جو انہوں نے 'مسئلہ خلافت' میں بیان کیا اور قریشی خلفاء کے باب میں، روایات کے بارے میں یہ رائے قائم کی کہ وہ خبر ہیں۔

مولانا احمد رضا خان رسالے کے مقدمے میں لکھتے ہیں:

> "نہ صرف عثمانیہ، ہر سلطنتِ اسلام، نہ صرف سلطنت ہر جماعتِ اسلام۔ نہ صرف جماعت ہر فردِ اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اس میں قریشیت شرط ہونا کیا معنی؟ ولی سے خیر خواہی مطلقاً فرضِ عین ہے۔ اور وقتِ حاجتِ دعا سے امداد و اعانت بھی۔ یہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں اور مال یا اعمال سے اعانت فرضِ کفایہ ہے[14]۔"

دوسرے پہلو کو واضح کرتے ہوئے مولانا احمد رضا خان لکھتے ہیں:

> " البتہ اہلِ سنت مذہب میں خلافتِ شرعیہ کے لیے ضرور قریشیت شرط ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے متواتر حدیثیں ہیں۔ اس پر صحابہ کا اجماع، تابعین کا اجماع ہے۔ اس میں مخالف نہیں مگر خارجی یا کچھ معتزلی۔ کتبِ عقائد و کتب حدیث و کتبِ فقہیہ اس سے مالا مال ہیں۔ بادشاہ غیر قریشی کو سلطان، امام، والی، ملک کہیں گے مگر شرعاً خلیفہ یا امیر المومنین کہ یہ بھی عرفاً اس کا مترادف ہے۔ ہر بادشاہ قریشی کو بھی نہیں کہہ سکتے سوا اس کے جو ساتوں شروطِ خلافت اسلام، عقل، بلوغ، حریت، ذکوریت، قدرت، قریشیت۔ سب جامع ہو کر تمام مسلمانوں کا فرمانروائے اعظم ہو۔"

مولانا احمد رضا خان کا کہنا ہے کہ خلیفہ ایک وقت میں ایک ہی ہوتا ہے لیکن سلاطین ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں۔ سلطان کے لیے قریشی ہونا ضروری نہیں، اس لیے عملاً اس سے زیادہ فرق واقع نہیں ہو گا۔ مولانا کا مؤقف یہ بھی ہے کہ خلیفہ کے لیے سات شرائط ہیں، جن کا ابھی ذکر ہوا۔ قریشیت ان میں سے ایک شرط ہے۔ خلیفہ کے لیے باقی شرائط کا پورا ہونا بھی ضروری ہے۔

---

14 https://freeislamicbooks.ahlesunnats.com/2019/09/dawam-ul-aish_25.html

مولانا احمد رضا خان نے بطورِ خاص مولانا ابولکلام آزاد پر تنقید کی ہے اور ان کے اس دعوے کا رد کیا ہے کہ "الائمۃ من قریش" اور اس مضمون کی احادیث میں صرف خبر دی گئی ہے۔ ان کی نوعیت تشریعی نہیں ہے۔ مولانا احمد رضا، مولانا ابولکلام کی اس دلیل کو رد کرتے ہیں کہ اسلام میں حسب و نسب کا کوئی امتیاز نہیں۔ اس بارے میں ان کا کہنا یہ ہے "یہ اعتراض مسٹر آزاد کا طبع زاد نہیں خارجی خبیثوں سے سیکھا ہے۔" مولانا لکھتے ہیں:

"کس قدر احادیث کثیرہ نے کہاں کہاں فضیلتِ نسب کا اعتبار فرمایا ہے اور نکاح میں شرعاً اعتبارِ کفائت سے تو عالم بننے والے جہال بھی ناواقف نہ ہوں گے، جس سے تمام کتبِ فقہ گونج رہی ہیں اور اس میں خود احادیث وارد[15]۔"

مولانا کا کہنا ہے کہ دین میں جس بات سے منع فرمایا گیا ہے وہ فضائلِ تقویٰ و دینیہ کو نظر انداز کر کے، محض نسب پر فخر کیا جائے۔ باقی رہا نسب تو قریش سب جہاں سے زیادہ شریف ہیں۔ مولانا احمد رضا، مولانا آزاد کے اس استدلال کو بھی رد کرتے ہیں کہ "قدموا قریشا فلا تقدموھا" (قریش کا مقدم رکھو اور ان پر تقدم نہ کرو)۔ مولانا احمد رضا کہتے ہیں کہ اس روایت میں 'امر' ہے۔ اسے خبر کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔

مولانا احمد رضا خان نے مولانا ابوالکلام آزاد پر تنقید کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ انہوں نے جس طرح ان روایات کو سمجھا ہے وہ درست نہیں۔ مثال کے طور پر مولانا آزاد نے بخاری کی ایک روایت بیان کی جس میں کہا گیا ہے خلافت قریش میں رہے گی جب تک قریش میں سے دو افراد بھی دنیا میں موجود رہے۔ بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں "مابقی منھم اثنان"۔ 'منھم' سے مولانا آزاد نے "قریش میں سے" مراد لیا ہے۔ مولانا احمد رضا خان یہ کہتے ہیں کہ مسلم کی روایت میں "مابقی من الناس اثنان" کے الفاظ آتے ہیں۔ مسلم کی روایت بخاری کی روایت کی وضاحت کر رہی ہے۔ قریش میں سے نہیں بلکہ "جملہ انسانوں میں سے۔" یعنی اگر دنیا میں دو انسان بھی ہوں گے تو بھی خلافت قریش میں ہو گی۔ مولانا احمد رضا، مولانا آزاد کی اس رائے پر بھی تنقید کرتے ہیں جس کے مطابق انہوں نے سقیفہ بنی ساعدہ والی روایت کے بارے میں یہ کہا ہے کہ "بطریقِ اتصال کے ثابت نہیں۔"

15 سلسلہ رسائل فتاوٰی رضویہ، رسالہ نمبر 3، ج14 ص56۔

قریشی خلیفہ اور علمائے دیوبند

علمائے دیوبند بھی خلیفہ کے لیے قریشی کی شرط کو ضروری سمجھتے ہیں۔ تاہم ان کا مؤقف یہ ہے کہ اگر قریش میں کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے جس میں خلیفہ کے لیے دیگر صفات جیسے عدل، پائی جاتی ہو اور غیر قریشی میں موجود ہوں تو پھر غیر قریشی خلیفہ بن سکتا ہے۔ ایک استفتا کے جواب میں دارالعلوم دیوبند کا فتویٰ ہے:

”فقہا اور متکلمین کی بھاری اکثریت کے نزدیک خلیفہ کا قریشی ہونا ضروری ہے لیکن یہ شرط اس وقت ہے جب خاندانِ قریش میں ایسا شخص موجود ہو جس میں وہ دیگر صفات موجود ہوں جو خلیفہ بننے کے لیے ضروری ہیں اور اگر قریش میں ایسا عادل شخص میسر نہ ہو تو پھر بالاتفاق کسی غیر قریشی کو خلیفہ بنانا جائز ہے۔[16]"

اس طرح مولانا زاہد الراشدی بھی خلیفہ کے لیے قریشی کی شرط ضروری نہیں سمجھتے[17]۔ علمائے دیوبند کے مؤقف کو مولانا حامد الانصاری غازی کی کتاب "اسلام کا نظامِ حکومت" سے بہتر سمجھا جا سکتا۔ مولانا حامد، مولانا قاری محمد طیب قاسمی کے داماد تھے۔ اس باب میں ان کی کتاب کو اہم سمجھا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"تحقیق یہ ہے کہ اسلام کا اساسی قانون اس شرط کا تحمل نہیں کرتا۔ پہلی بات تو یہ ہے علمائے قانون کی طرف سے اس شرط سے اختلاف ظاہر کیا گیا ہے۔ اور آخری بات یہ ہے کہ آخر میں امت نے قانونِ اجماع کے ذریعے سے خلافتِ عثمانیہ کو تسلیم کر لیا تھا۔ عثمانی ترک قریشی نہ تھے مگر مصر کے آخری قریشی خلیفہ نے خود سلطان سلیم کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اگرچہ قریشی ہونے کی شرط خلافتِ عباسیہ تک قائم رہی لیکن اسلامی نقطہ نظر سے اس شرط کا حقیقی ظہور خلافتِ راشدہ پر ختم ہو گیا“۔

جن روایات میں قریشی کی شرط کا بیان ہے، ان کے بارے میں مولانا انصاری کا کہنا ہے قریشی ہونا باعثِ برکت ہے لیکن "یہ بھی قطعی ہے کہ اسلام حکومت کی عمومیت کا حامی ہے۔" وہ لکھتے ہیں:

"اس مسئلے کی قانونی تنقیح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے قائد کا قریشی ہونا ایک اختلافی بات ہے۔ علامہ سید انور شاہ نے اپنے علمی افادات میں ”مواہب الرحمٰن“ کے جلیل القدر مصنف کا یہ قول نقل کیا ہے کہ "انھا لیست بشرطِ عند امامنا (قریشی ہونا ہمارے امام (ابو حنیفہ) کی رائے میں کوئی شرط نہیں)۔ اس سے حنفی مسلک کا رخ

16 https://darulifta-deoband.com/home/ur/others/156622

17 http://alsharia.org/2011/dec/makateeb

ظاہر ہوتا ہے۔ اگرچہ بعض فقہاء نے اس کا ذکر کیا ہے لیکن جب ہم خود فقہ اکبر اور ملا علی قاری کی شرح کو اصل الاصول کی حیثیت سے دیکھتے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کے تاریخی دور میں قریشی ہونے کو شرط نہیں سمجھا گیا[18]۔

مولانا انصاری اس باب میں ابنِ خلدون اور مولانا ابوالکلام آزاد ہی کی رائے کو آگے بڑھاتے اور ان کی تائید کرتے ہیں۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک جلیل القدر دیوبندی عالم مولانا اشرف علی تھانوی اس باب میں مولانا احمد رضا خان کے ہم نوا ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ ایک غیر قریشی خلیفہ نہیں بن سکتا۔ اسے وہ نص کے خلاف قرار دیتے ہیں اور اس پر اجماع نقل کرتے ہیں۔ مولانا تھانوی بھی احمد رضا خان کی طرح سلطان اور خلیفہ میں فرق کرتے ہیں۔ مولانا رقم طراز ہیں:

”خلافت قریش کے لیے ہے۔ غیر قریشی کو بادشاہ کہا جائے گا لیکن اطاعت اس کی بھی واجب ہو گی۔ اور بعض لوگوں نے جو یہ کہا کہ غیر قریشی بھی خلیفہ ہو سکتا ہے تو یہ نص کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے الائمۃ من قریش (یعنی امیر المومنین) قریشی ہوں گے۔ نیز حضراتِ انصار پر یہ نص (حدیث) پیش کی گئی تو انہوں نے بھی اس کو تسلیم فرمایا۔ پس اس پر صحابہ کا اجماع ہو گیا۔"[19]

خلافتِ قریش: سیاسی مصلحت کا بیان

اس باب میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی یہ رائے تھی کہ رسالت مآب ﷺ سے منقول روایات میں قریش کی خلافت کا جو ذکر ہے، یہ عملی سیاست کے حوالے سے ایک ہدایت تھی نہ کہ یہ کسی شرعی حکم کا بیان تھا۔ ان روایات میں مولانا کے نزدیک کوئی ایک لفظ ایسا نہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ نبی ﷺ کی کوئی خواہش تھی۔ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"نبی ﷺ نے جو کچھ فرمایا تھا وہ قانونی حیثیت سے نہ تھا کہ از روئے شرع خلیفہ کو قریشی ہونا چاہیے اور غیر قریشی کو خلافت کا حق نہیں ہے۔ بلکہ وہ عملی سیاست کے حوالے سے ایک ہدایت تھی اور ساتھ ہی آپ ﷺ نے یہ پیشن

---

18 حامد الانصاری غازی، اسلام کا نظمِ حکومت (دھلی: ندوۃ المصنفین، طبع دوم ۱۹۵۶ء)، ص 256۔

19 اشرف علی تھانوی، اسلام اور سیاست (مجموعہ افادات) (ملتان: ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ، ۱۴۲۷ھ)، ص 95۔

گوئی بھی کر دی تھی کہ جب تک قریش اپنے اخلاق بلند رکھیں گے اور فی الجملہ دین کی علمبر داری کرتے رہیں گے اور ان میں دو آدمی بھی مردانِ کار پائے جائیں گے، ریاست انہی کو حاصل رہے گی[20]۔"

مولانا مودودی بھی اس معاملے میں ابنِ خلدون کی رائے کو درست سمجھتے ہیں اور اجماعِ امت کے باب میں ان کے نقطہ نظر کی توثیق کرتے ہیں کہ نویں صدی میں اس معاملے پر اجماع ٹوٹنا شروع ہو گیا تھا، یہاں تک کہ علماء کے ایک بڑے طبقے نے عثمانیوں کی خلافت کو تسلیم کر لیا۔

مولانا مودودی ان روایات اور پھر امت کے تعامل سے، بعض اصولوں کا استنباط کرتے ہیں، ایک اصول، ان کے نزدیک کچھ اس طرح ہے:

"جہاں قبائلیت اور برادریوں کے تعصبات یا دوسری گروہی عصبیتیں زندہ متحرک ہوں، وہاں ان سے براہِ راست تصادم کرنا مناسب نہیں بلکہ جہاں جس قبیلے یا برادری یا گروہ کا زور ہو وہاں اسی کے نیک لوگوں کو آگے لانا چاہیے تاکہ زور آور گروہ کی طاقت اسلامی نظام کے نفاذ کی مزاحم بننے کی بجائے اس کی مددگار بنائی جاسکے اور بالآخر نیک لوگوں کی کار فرمائی سے وہ حالات پیدا ہو جائیں جس میں ہر مسلمان مجرد اپنی دینی و اخلاقی اور ذہنی صلاحیت کی بنیاد پر بلالحاظ نسل و نسب و وطن سر براہی کے مقام پر آسکے۔[21]"

مسئلہ زیرِ بحث میں ایک رائے مولانا امین احسن اصلاحی کی بھی ہے۔ وہ اسے ایک قضیے کا فیصلہ سمجھتے ہیں۔ مولانا 'الائمۃ من قریش' کی شرح میں لکھتے ہیں:

"یہ نہ امر ہے نہ خبر نہ وصیت بلکہ یہ ایک قضیہ اور نزاع کا فیصلہ ہے۔ یہ قضیے کی شکل میں حضور ﷺ کے سامنے پیش نہیں ہوا تھا لیکن یہ ذہنوں میں موجود تھا اور اس کے اثرات وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہے تھے۔ حضور ﷺ کے لیے یہ اندازہ کر لینا کچھ مشکل نہ تھا کہ آپ کی وفات کے بعد یہ قضیہ ایک نزاع کی شکل اختیار کر سکتا ہے اور اس سے امت میں ایک انتشار پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے اپنی زندگی ہی میں فیصلہ فرمادیا کہ آپ کے بعد خلافت کے حق دار قریش ہیں[22]۔"

---

20 ابوالاعلیٰ مودودی، رسائل و مسائل (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۲۰۱۶)، ص581۔

21 مودودی، رسائل و مسائل، ص591۔

22 امین احسن اصلاحی، اسلامی ریاست (لاہور، دارالتذکیر، ۲۰۰۲)، ص50-51۔

مولانا اصلاحی کا کہنا ہے کہ آپ ﷺ کے بعد خلافت کے دعوے دار دو ہی گروہ ہو سکتے تھے۔ ایک انصار اور دوسرے مہاجرین (قریش)۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ دینی خدمات کے اعتبار سے دونوں میں زیادہ فرق نہ تھا۔ اگر فرق تھا تو سیاسی اثر و رسوخ میں تھا اور اس حوالے سے قریش کی برتری واضح تھی۔ اس لیے ان کے حق میں فیصلہ ہوا۔ اگر کوئی تیسرا فریق ہوتا تو اس کے حالات کو دیکھ کر فیصلہ ہوتا۔ مولانا نے لکھا:

"یہ خیال بالکل غلط ہے کہ حضور ﷺ نے یہ فیصلہ قریش کے حق میں ان کی قریشیت کی بنیاد پر دیا۔ اگر اس وقت کوئی تیسری جماعت میدان میں موجود ہوتی اور وہ اپنی دینی خدمات اور سیاسی قوت و دبدبہ کے لحاظ سے مذکورہ دونوں جماعتوں پر فوقیت رکھنے والی ہوتی تو حضور یہی فیصلہ اس کے حق میں بھی دے سکتے تھے[23]۔"

مولانا امین احسن اصلاحی کو اس بات سے بھی اتفاق نہیں کہ قریش کی خلافت پر اجماع ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر اس سے مراد سقیفہ بنی ساعدہ کا اجماع ہے تو اس سے کسی کو اختلاف نہیں۔ "لیکن اگر اس اجماع سے کوئی اور اجماع مراد ہے تو اس کا پتہ صرف امام نسفی اور شہرستانی کو ہو گا۔ ان کے سوا کسی اور کو اس اجماع کا پتہ نہیں۔" وہ اس حوالے سے اپنا اصولی مؤقف اسطرح بیان کرتے ہیں:

"اگر کوئی اجماع اسلام کے اصول کے خلاف ہو تو وہ اجماع، اسلام کی شرائطِ اجماع کی رو سے اجماع نہیں۔ وہ اجماع باطل ہے[24]۔"

حاصلِ بحث:

برِ صغیر کے مسلم علماء نے امامتِ قریش کے باب میں روایات کی صحت سے انکار نہیں کیا۔ ان کے مابین جو اختلاف ہوا، اس کا تعلق فہم سے ہے۔ کسی نے ان روایات کو اپنے مجموعی فہمِ اسلام کی روشنی میں دیکھا اور ان سے ایک مفہوم اخذ کیا۔ بعض نے علمِ روایت کی روشنی میں ان کی صحت کو قبول کرتے ہوئے ظاہری معنوں کو ترجیح دی۔ اس مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ برصغیر کی علمی روایت امتِ مسلمہ کے تنوع کو پوری طرح قبول کرتے ہوئے آگے بڑھی ہے۔

23 امین احسن اصلاحی، اسلامی ریاست، ص152۔

24 ایضاً، ص61۔